

یونس احمد لغاری

لیکچرار اردو، شعبہ اردو، گورنمنٹ یونیورسٹی کالج، جھڈو

## میر محمود صابر: سندھ میں اردو کی شعری روایت کا اولین چراغ

---

### Abstracts

#### **Mir Mahmood Sabir: A foundation voice of Urdu poetic tradition in Sindh**

**By Unis Ahmed Laghari, Lecturer Urdu, Dept. of Urdu, Govt. Boys Degree College, Jhuddo**

Mir Mahmood Sabir, a contemporary of Wali Dakani, was Sindh's first Urdu poet with a complete diwan, contributing significantly to early Urdu poetry. While Wali's poetry is known for its simplicity and fluency, Sabir's verses exhibit philosophical depth, mysticism, and intricate imagery. His themes include love, divine knowledge, existential reflection, and Sufi metaphysics, distinguishing him in the classical tradition. Sabir's poetry reflects a rich linguistic blend, influenced by Persian, Arabic, Hindi, Braj, Punjabi, and Sindhi. Raised in Delhi, he mastered Dihlavi Urdu and Persian literary traditions, incorporating Quranic references, classical metaphors, and regional dialects. He was deeply aware of his poetic craft, often taking pride in his unique thematic and stylistic choices. Although Sabir did not attain the same widespread recognition as some of his contemporaries, his poetry remains a crucial link in Urdu's literary evolution, highlighting Sindh's role in shaping the language's early tradition. His distinctive voice, depth of thought, and mastery of language establish him as a significant yet often overlooked figure in classical Urdu poetry.

**Keywords:** Sindh, Urdu Poetry, Mir Mahmood Sabir, Wali Dakani, Early Urdu Literature, Mysticism, Literary Evolution, Linguistic Influence, Urdu in Sindh,

**کلیدی الفاظ:** سندھ، اردو شاعری، میر محمود صابر، ولی دکنی، ابتدائی اردو ادب، ارتقائی ادب، لسانی ارتقاء، سندھ میں اردو

اردو شاعری کی تاریخ میں کئی اہم شعراء ایسے ہیں جن کا کلام وقت کی دھند میں کھو گیا، یا عدم توجہی، قدرتی آفات، اور سماجی انتشار کے باعث محفوظ نہ رہ سکا۔ علمی و ادبی مراکز، جو کبھی تہذیب و ثقافت کے مراکز تھے، زوال کا شکار ہو گئے، اور ان کے ساتھ کئی تخلیقی شاہکار بھی فراموش کر دیے گئے۔ ٹھٹھہ بھی انہی مراکز میں سے ایک تھا، جو کسی زمانے میں برصغیر میں علم و ادب کا گہوارہ تھا۔ یہاں کی محافل اور تخلیقی سرگرمیاں نہ صرف مقامی بلکہ غیر مقامی ادب پر بھی اثر انداز ہوئیں، مگر وقت کی بے رحمی نے اس شہر کی ادبی شناخت کو ماند کر دیا۔ اسی فراموشی کا شکار میر محمود صابر بھی ہوئے، جن کا کلام اپنے دور میں انفرادی حیثیت رکھتا تھا، مگر تاریخی گمنامی اور عدم توجہی نے انہیں اردو ادب میں وہ مقام نہ دیا جس کے وہ مستحق تھے۔

میر علی شیر قانع نے ”مقالات الشعراء“ میں میر محمود صابر کا ذکر یوں کیا ہے:

“میر محمود نام: سیدی پاک والا رتبہ، اصل از اجلہ سادات استر آباد رضوی اند۔ والد ماجد ایشان در جہان آباد تشریف آورده معززی ایہ آنجا تولد یافت۔ حسب قسمت و کشش آبخورد بعزم زیارت عتبات عالیات ائمہ پاک از خاک مولد مفارقت گزیدہ بدان شرف مشرف و در بلدہ تنہ اقامت گزیدہ صاحب اہل و اطفال شدند۔ اکثر در مرثیہ حضرات شہدا علیہم التہیۃ و الثنا اشتغال دارند۔ بزبان ہندی و پارسی دیوانہا متعدد در مرثیہ و بعضی در غزلیات و مناقب درست کردہ۔ روضتہ الشہدرا تنظیم کشیدند، سرعت فکر بخدی است۔ قریب لک بیت تا این زمان از زبان فصاحت بیان شان سرزده باشند۔ قبولیت تمام در کلام شان شایع۔ و این تخلص بخش حضرات در رویا است۔ الحق ذات بابرکات ایشان از متبرکات است۔“ (۱)

میر علی شیر قانع کے مطابق میر محمود، ایک پاکیزہ اور بلند مقام شخصیت ہیں۔ ان کا اصل تعلق استر آباد کے

رضوی سادات کے معزز خاندان سے ہے۔ ان کے والد ماجد جہان آباد (دہلی) تشریف لائے، اور میر محمود وہیں پیدا ہوئے۔ اپنی قسمت اور جذبے کے تحت، اپنے وطن کو خیر باد کہا اور زیارت ائمہ پاک کے لیے روانہ ہوئے۔ وہاں زیارت کا شرف حاصل کرنے کے بعد، ٹھٹھہ میں سکونت اختیار کی، اور یہیں شادی کر کے اہل و عیال کے ساتھ زندگی بسر کی۔ وہ اکثر شہدائے کربلا کے مرثیے لکھنے میں مشغول رہتے تھے۔ انھوں نے ہندی اور فارسی زبان میں متعدد دیوان مرتب کیے، جن میں مرثیے، غزلیات، اور مناقب شامل ہیں۔ انھوں نے روضۃ الشہداء کو بھی منظوم کیا۔ ان کی فکری سرعت اس قدر ہے کہ اب تک ان کی زبان فصاحت سے تقریباً ایک لاکھ اشعار ادا ہو چکے ہیں۔ ان کے کلام کی مقبولیت عام ہے اور اس تخلص ”صابر“ کا انھیں ایک خواب کے ذریعے اشارہ ملا۔ بلاشبہ ان کی برکتوں والی ذات قابل احترام اور متبرک شخصیات میں شامل ہے۔

اپنی دوسری کتاب ”تحفۃ الکرام“ میں میر علی شیر قانع میر محمود صابر کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہیں:

”یہ اصلاً سادات استر آبادی میں سے ہیں۔ نواب سیف اللہ خان کے ایام میں بلند مراتب درگاہوں کی زیارت سے واپس آکر ٹھٹھہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ یہاں آکر انھوں نے شادی کی جس سے اولادیں ہوئیں۔ یہ زیور بزرگی سے اچھی طرح آراستہ تھے۔ ”صابر“ تخلص کرتے تھے۔ امامین کی شان اور منقبت میں دفتر کے دفتر نظم کرتے تھے۔ صاحب حال بزرگ تھے۔ چند ماہ ہوئے کہ انتقال کیا ہے۔“ (۲)

میر محمود صابر کا ابھی تک دستیاب معاصرانہ ذکر صرف ان دو کتابوں میں موجود ہے۔ تذکرہ ”مقالات الشعرا“ میر علی شیر قانع نے ۱۱۶۹ھ سے ۱۱۷۴ھ میں تالیف کیا تھا۔ جبکہ ”تحفۃ الکرام“ کے مکمل ہونے کا سن تالیف ۱۱۸۰ھ تا ۱۱۸۱ھ ہے۔ میر علی شیر قانع نے ۱۱۸۱ھ میں لکھا ہے کہ میر محمود صابر کا انتقال چند ماہ پہلے ہوا ہے۔ قانع کے مطابق وہ ۱۱۴۰ھ میں ٹھٹھہ آئے تھے۔ جبکہ ۱۱۶۹ھ میں قانع ان کا ذکر انتہائی عقیدت اور احترام سے کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بزرگ ہو چکے تھے۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے ان شہادتوں کی بنیاد پر میر محمود صابر کا سن پیدائش ۱۱۱۰ھ قرار دیا ہے۔ (۳)

میر علی شیر قانع کے مطابق میر محمود صابر نے فارسی اور ہندی زبان میں متعدد دیوان مرتب کیے ہیں اور وہ عوام میں بے حد مقبول تھے۔ قانع نے ان سے ایک لاکھ اشعار منسوب کیے لیکن افسوس کی بات ہے کہ قانع نے اپنے تذکرے میں ان کا صرف ایک فی البدیہہ شعر لکھا ہے۔ صابر کا کلام کئی صدیاں نظروں سے اوجھل رہا، یہاں تک کہ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کو ۱۹۶۰ء میں حیدرآباد سندھ کے قریب نصرپور قصبہ کی ایک لائبریری سے ان کا ایک

دیوان ملا۔ اس دیوان میں ۶۱۶ غزلیں، ایک منقبت، چودہ رباعیاں، دو مستزاد، تین مثنوی، ایک مسدس بعنوان واسوخت، ایک طویل ترجیع بند، ایک طویل نظم بعنوان ساقی نامہ، ایک نظم صنف دوہرہ، مثنوی بعنوان جوگنی اداسی بن باسی، ایک سی حرفی دوہرہ، پندرہ دوہرے اور پانچ مختصر نظمیں شامل ہیں۔ دیوان میں شامل آخری شعر سے اس دیوان کی تکمیل کا سال ۱۱۸۱ھ برآمد ہوتا ہے۔

سال تاریخ صابر از الہام

گفت ہاتف ”زہے نجستہ کلام“

”زہے نجستہ کلام“ سے ۱۱۸۱ھ کے اعداد برآمد ہوتے ہیں جو اس دیوان کی تصنیف کا سال ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۸۱ھ میں جب میر علی شیر قانع تحفۃ الکرام مکمل کر رہے تھے اس سے چند ماہ پہلے میر محمود صابر کا انتقال ہو چکا تھا۔ دیوان میں شامل ایک شعر:

شکر اللہ ہوئی کتاب تمام

”شوق افزا“ رکھا ہے جس کا نام

سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر نے اس دیوان کا نام شوق افزا رکھا ہے۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے اس نایاب دیوان کا عکس ایک مفصل مقدمے کے ساتھ شائع کیا۔ لیکن اس مقدمے میں صابر کے کلام کے جائزے کے علاوہ ان کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں دی گئی۔

میر علی شیر قانع کے بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ میر محمود صابر ائمہ کی زیارت سے واپسی پر ۱۱۴۰ھ کے قریب ٹھٹھہ میں سکونت اختیار کی۔ یہ وہ دور تھا جب اورنگ زیب کی وفات (۱۷۰۷ء-۱۱۱۸ھ) کے ساتھ ہی مغلیہ سلطنت شدید انتشار کا شکار ہو گئی۔ تخت نشینی کی جنگوں نے سلطنت کو کمزور کر دیا، اور دربار مسلسل سازشوں کا مرکز بنا رہا۔ چند سالوں میں کئی بادشاہ تخت پر آئے اور ہٹا دیے گئے، جبکہ مرہٹوں، سکھوں اور دیگر طاقتوں نے اپنی خود مختاری کی کوششیں تیز کر دیں۔ درباری سیاست میں امر اکا اثر بڑھتا گیا۔ ۱۷۱۹ء تک دہلی میں مکمل عدم استحکام تھا، اسی سال محمد شاہ تخت نشین ہوا۔ مسلسل عدم استحکام کی صورت نے دہلی کے عوام کو پریشان کر دیا تھا جس کی وجہ سے دہلی سے اہل علم اور دیگر افراد کی نقل مکانی شروع ہو چکی تھی۔ غالباً یہی وہ دن تھے جب میر محمود نے دہلی کو خیر آباد کہا اور ائمہ معصومین کی زیارت کے لیے رخت سفر باندھا۔ زیارت سے واپسی پر میر محمود کا گذر سندھ سے ہوا جہاں ان دنوں میاں نور محمد کابوڑا کی حکومت تھی۔ ٹھٹھہ میں مغل حکمرانوں کی جانب سے نواب مہابت خان ”کاظم“ کو گورنر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ نواب مہابت خان، بہادر شاہ اول کے مشہور وزیر منعم خان کے فرزند تھے۔ میر علی شیر قانع نواب مہابت خان کے بارے میں لکھتے ہیں:

”نواب مہابت خان سنہ ۱۱۳۲ھ میں ٹھٹھے پر مامور ہوا۔ وہ بڑا معزز امیر، کم آزار، غریب پرور اور سیر و سلوک سے واقف تھا۔ ہمیشہ اہل فقر و کمال سے صحبت رکھتا تھا اور شعرا سے بھی مجلسیں گرمایا کرتا تھا۔ وادی شعر میں استادوں کی طرح کاوشیں دکھاتا اور ”کاظم“ تخلص کرتا تھا۔“ (۴)

ٹھٹھے ۱۰۰۰ء میں عہد اکبری میں مغل حکومت میں شامل ہوا تھا۔ مغل حکمرانوں نے یہاں نظام چلانے کے لیے مختلف صوبیداروں کو گورنر بنا کر بھیجا شروع کیا۔ اعجاز الحق قدوسی کے مطابق ٹھٹھے میں مغل دور حکومت ۱۴۷ سال رہا اور اس دوران ۶۴ صوبیدار مغل حکومت کی جانب سے ٹھٹھے آئے اور انھوں نے ٹھٹھے کا نظام سنبھالا۔ (۵)

مغل بادشاہوں کی جانب سے مقرر کیے جانے والے ناظمین نہ صرف انتظامی امور سنبھالتے بلکہ علمی و ثقافتی سرگرمیوں کی سرپرستی بھی کرتے تھے۔ ان ناظمین کے زیر سایہ مدارس، کتب خانے اور خانقاہیں ترقی پانے لگیں، جہاں فارسی، عربی اور سنسکرت کے ساتھ ساتھ مقامی زبانوں میں بھی علمی مکالمہ فروغ پایا۔ ان ناظمین کی سرپرستی میں فن خطاطی، مصوری اور تعمیرات میں مغلیہ اثرات نمایاں ہونے لگے۔ شاہجہاں کے دور میں شاہجہانی مسجد جیسی عظیم الشان عمارت کی تعمیر نے نہ صرف فن تعمیر کو جلا بخشی بلکہ اس نے شہر کے علمی و مذہبی تشخص کو بھی مزید مستحکم کیا۔ اس دور میں کئی صوفیاء اور علماء نے ٹھٹھے میں قیام کیا، جس کی بدولت یہاں تصوف اور اسلامی علوم کو فروغ ملا۔ سید حسام الدین راشدی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

”مغل گورنروں کی آمد و رفت نے ہندوستانی شعرا کو سندھ سے روشناس کرایا، کئی اردو شاعر مغل حکمرانوں کے ساتھ یہاں پہنچے۔ ان اہل علم لوگوں سے سندھ کے شعرا کی رسم و راہ بڑھی تو ان سے متاثر ہو کر سندھ کے فارسی گو شاعروں نے بھی ”ریختہ“ جیسی نئی زبان میں اشعار کہنا شروع کر دیئے۔ محمد سعید راہبر (۱۱۳۷ھ - ۱۱۴۳ھ) گوالیار نواب سیف اللہ خاں کے ساتھ آئے۔ میر جعفر علی خاں بینوا، نواب مہابت خاں کاظم کے دور میں ۱۱۳۲ھ تا ۱۱۳۵ھ میں ٹھٹھے وارد ہوا۔ سید فضائل علی خاں بقید یہاں حاکم بن کر آئے، محسن الدین شیرازی ان سے پہلے ٹھٹھے آیا اور میر قانع سے ملا تھا، عماد الملک نواب غازی الدین فیروز جنگ جن کی یاد گار دہلی میں عربک کالج کے نام کی ایک تاریخی عمارت ہے، وہ بھی ۱۱۹۵ھ میں ٹھٹھے آئے، ان کے علاوہ جلیل القدر ادیب و شاعر و عالم سید عبدالجلیل بلگرامی اور میر غلام علی آزاد بلگرامی و قانع نویسی کے سلسلے میں ۱۱۱۶ھ سے ۱۱۴۰ھ تک سندھ

میں رہے، یہ سب بزرگ فارسی کے ساتھ، اردو میں بھی شعر کہتے تھے، یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان میں ریختے میں شعر کہنے کا نیا نیا ذوق پیدا ہوا تھا، آبرو، مضمون، ناجی، مظہر جان جاناں اسی ابتدائی دور کے اردو کو شاعر ہیں، دلی گجراتی نے بھی اسی دور میں فروغ حاصل کیا۔ سندھ میں ریختے شاعری کا یہ پہلا دور ہے، سندھ میں ہندوستان کے ان شاعروں نے اس نئی زبان کی شاعری سے دلچسپی پیدا کی، مقالات الشعرا کے ذریعہ ہمیں چند ایسے سندھی فارسی گو شعرا کا پتا چلتا ہے جنہوں نے تفسیر طبع کی خاطر اردو میں طبع آزمائی کی، ان میں نواب سیف اللہ کے دور میں شیخ ورو، عبدالسبحان فائر ٹھٹھوی، مخدوم محمد معین بیراگی قابل ذکر شاعر ہیں۔ میر حیدر الدین ابوتراب کامل بھی اسی دور کے شاعر ہیں۔ دارالسلطنت دہلی میں جیسے ہی دلی گجراتی کا دیوان پہنچا، اور اردو میں شعر گوئی کا ذوق بیدار ہوا، اسی طرح سندھ کے دارالسلطنت میں بھی ان ہندوستانی شعرا کی وجہ سے سندھی شعر میں اردو شاعری کی تحریک پیدا ہوئی۔“ (۶)

میر محمود صابر انہیں دنوں میں ٹھٹھہ میں آئے تھے۔ میر علی شیر قانع ۱۱۳۰ھ کو پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے میر محمود صابر کا ذکر جس احترام سے کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ میر محمود صابر مقالات الشعرا کی تالیف کے وقت انتہائی معزز اور بزرگ شخصیت تھے۔ مقالات الشعرا کا سنہ تالیف ۱۱۶۹ھ سے ۱۱۷۴ھ ہے۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے قیاس کے مطابق میر محمود صابر کا سال پیدائش ۱۱۶۹ء-۱۱۱۰ھ ہو سکتا ہے۔ یعنی ۱۱۶۹ھ کو جب مقالات الشعرا لکھا گیا تو میر محمود کی عمر ۵۹ برس تھی۔ جبکہ ۱۱۸۱ھ میں قانع کے بیان کے موجب میر محمود صابر ۷۰ یا ۷۱ برس کی عمر میں دارالفانی کوچ کر چکے تھے۔ اس طرح میر محمود صابر کی عمر ۷۱ برس بنتی ہے۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے مطابق عثمان مروندی المعروف شہباز قلندر کی مزار کا کتبہ اور والی سندھ خدایار خاں کے مقبرے کا کتبہ، میر محمود صابر کا ہی منظوم کردہ ہے۔ (۷) خدایار خاں کا کتبہ ۱۱۶۷ھ اور اور درگاہ قلندر شہباز کی مزار کا کتبہ ۱۱۷۳ھ کا ہے۔ یعنی ۱۱۶۷ھ میں میر محمود کی عمر ۵۷ برس اور ۱۱۷۳ھ کو ان کی عمر ۶۳ برس تھی۔

میر علی شیر قانع کا بیان ہے کہ میر محمود صابر آئمہ کی زیارت سے لوٹے تو انہوں نے ٹھٹھہ میں سکونت اختیار کی۔ میر محمود کے آباء استر آباد (ایران) سے ہجرت کر کے دہلی آئے تھے۔ دہلی کے علاوہ ہندوستان کے دیگر علاقوں کی جانب بھی استر آبادی سیدوں کی ہجرت کے شواہد ملتے ہیں۔ میر علی شیر قانع نے تحفۃ الکرام میں ٹھٹھہ میں کافی عرصے سے رہنے والے متعدد استر آبادی خاندانوں کا ذکر کیا ہے۔ (۸) ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کو میر محمود صابر کا دیوان

حیدرآباد کے قریب سندھ کے ایک شہر ”نصرپور“ کے قدیم کتب خانے سے ملا تھا۔ نصرپور میں بھی استر آبادی خاندانوں کے شواہد ملتے ہیں۔ ڈاکٹر حامد علی اپنی کتاب ”تاریخ نصرپور“ میں رقم طراز ہیں کہ نصرپور کے استر آبادی خاندانوں میں کئی بلند مرتبہ عالم، فاضل، درویش اور شاعر گزرے ہیں اور ان کے ٹھٹھے کے استر آبادی خاندانوں سے روابط تھے۔<sup>(۹)</sup> ممکن ہے کہ ان استر آبادی خاندانوں میں میر محمود صابر کے عزیز واقارب بھی ہوں جن کے پاس صابر آئے ہوں اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے ہوں۔ میر علی شیر قانع کے مطابق صابر ۱۱۴۰ھ میں یعنی ۳۰ برس کی عمر میں ٹھٹھے وارد ہوئے۔ اور یہاں آنے کے بعد انھوں نے شادی کی۔ یقیناً یہ شادی انھوں نے استر آبادی خاندان میں ہی سے کی ہوگی جو ان کو پہلے سے جانتے تھے یا ان کے صابر کے خاندان سے روابط رہے ہونگے۔ افسوس کہ اس حوالے سے میر محمود صابر کے واحد ماخذ میر علی شیر قانع نے کوئی زیادہ تفصیل فراہم نہیں کی تاہم یہ واضح ہے کہ میر محمود صابر کو ٹھٹھے میں ایک مانوس سماجی اور خاندانی ماحول میسر آیا ہوگا۔ ان دنوں ٹھٹھے اپنے علمی و ادبی ماحول کے باعث اس دور میں ایک نمایاں مرکز تھا۔ یہاں فارسی اور اردو زبانوں میں علمی و شعری سرگرمیاں عروج پر تھیں، جن میں مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی، مخدوم معین ٹھٹھوی، محسن ٹھٹھوی، عطا ٹھٹھوی، ضیاء الدین ضیاء اور دیگر نامور اہل علم کی موجودگی شامل تھی۔ ایسے میں ایک شاعر اور فاضل شخص کے لیے ٹھٹھے جیسا علمی مرکز کشش کا باعث بن سکتا تھا۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

”اپنے خاندان کے ایرانی پس منظر سے اثنا عشری عقائد اور ائمہ کی محبت ان کو ورثے میں ملی۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد نوجوانی میں دینی جذبے کے ماتحت میر محمود نے جہان آباد کو خیر آباد کہہ کر ائمہ کی زیارت کا قصد کیا۔ وہاں سے واپسی پر سندھ کے شہر ٹھٹھے میں آکر زلفِ پیچاں کے دام میں گرفتار ہوئے، شادی کر لی اور پھر محبت کے اس بسیرے میں بس کروطن (دہلی) کو بھول کر ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہو رہے،“<sup>(۱۰)</sup>

میر محمود ۱۱۳۰ھ سے ۱۱۴۰ھ کے درمیان ٹھٹھے وارد ہوئے تھے۔ ان دنوں مغل حکومت بھارت کا شکار تھی۔ ٹھٹھے میں پہلے مغل عملدار بھیجے جاتے تھے لیکن بعد میں یہ علاقہ ٹھیکے پر دیا جانے لگا۔ ۱۱۳۱ھ سندھ کے کلہوڑا حکمران میاں یار محمد کلہوڑا کی وفات ہوئی اور ان کے بڑے بیٹے میاں نور محمد ان کے جانشین ہوئے۔ ان دنوں کلہوڑا خاندان کی حکمرانی شمالی سندھ میں تھی۔ میاں نور محمد کے دہلی سے تعلقات اچھے تھے جب دہلی کے حکمرانوں سے ٹھٹھے کے انتظامات سنبھالنا مشکل ہو گئے تو انھوں نے ٹھٹھے کو ٹھیکہ پر دینا شروع کر دیا جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۱۵۰ھ میں میاں نور محمد نے ٹھٹھے اور متصل علاقہ اجارے پر لے لیا۔<sup>(۱۱)</sup> یوں کلہوڑا حکمران پوری سندھ کے حکمران

بن گئے۔ کلہوڑا حکمران نہ صرف علماء و فضلاء، شعرا و ادباء کی قدر دانی کرتے تھے بلکہ خود تمام اصنافِ علوم کی سرپرستی کرتے تھے۔ غلام رسول مہر ”تاریخ سندھ“ میں میاں نور محمد کلہوڑا کے کتب خانے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”نادر شاہ کے حملے کے وقت میاں نور محمد کے پاس بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ نادر شاہ نے جہاں سونا چاندی اور دیگر دولت لوٹی وہیں وہ علمی ذخیرہ بھی لٹ کر لے گیا۔ میاں صاحب نے اپنی وصیت میں لکھا کہ کتب خانے کی تباہی کا ماتم کیا جائے۔“<sup>(۱۲)</sup>

میاں نور محمد کلہوڑا اہل علم کے قدر دان تھے۔ ۱۱۶۷ھ کو جب میاں نور محمد کلہوڑا کی وفات ہوئی تو میر محمود صابر ٹھٹھہ کے مانے ہوئے شاعر اور معزز شخصیت تھے۔ ان کے جانشین میاں غلام شاہ کلہوڑا نے ان کا مقبرہ بنایا، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے مطابق میاں نور محمد کا قطعہ تاریخ صابر نے منظوم کیا تھا۔

بنا ز مصرع تاریخ تازہ شد صابر ہوا ز غلد دزدیدہ بطرف مرقد آل  
ز سال فوت چو تاریخ خواستم، دل گرفت حبیب و نور محمد، ولی غلد مکاں،<sup>(۱۳)</sup>

۱۱۶۷ھ

سندھ کے حکمران کی جانب سے اپنے والد کے مقبرے کے لیے صابر سے تاریخ قطعہ منظوم کرانا، صابر کی علمی قابلیت کی دلیل ہے۔ ۱۱۷۳ھ میں میاں غلام شاہ نے مخدوم عثمان مروندی المعروف قلندر شہباز کی درگاہ کے احاطے کا شاہی دروازہ تعمیر کروایا۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے مطابق درگاہ قلندر شہباز کے بیرون دروازہ کی دہلیز پر جو کتبہ آویزاں ہے اس کا قطعہ تاریخ، میاں غلام شاہ نے میر محمود صابر سے منظوم کرایا تھا:

چہ خوش جناب مبارک کہ نورِ حقانی ز روضہ است عیان ظاہری ز نہانی  
قلندر و سخی کام شیخ اہل یقین ولی وسید عثمان پیر نورانی  
بہ خاص و عام کہ مشہور لعل شہباز است بیادشاہ و گدا باز داد سلطانی  
باین جناب ہر آں کس ارادتی دارد بگام می رسد دولت فراوانی  
غلام شاہ میاں صاحب سعادت مند نشان حضرت عباس کان احسانی  
سخی و غازی و فیاض معدن الطاف است چو سرفراز شد از لطف وجود ربانی  
ز خاص نیست خود کرو تازہ خوش تعمیر کہ فرش و صحن و در روضہ شد گلستانی  
قبول حضرت مخدوم شد نشانی کو ز رحمت نبوی و علی و عمرانی  
ہر آنکہ دید و بیند شوق نور ظہور شود د و چشم دلش روشن و درخشانی

ہزار یک صد و ہفتاد و سہ ز ہجری بود ز کار داری باقر نشان شد ارزانی  
قبولیت از تعمیر جستم از ہاتف ندا بگوش من آمد ز لطف سبحانی  
زمین مصرع تاریخ خوش بگو صابر ”قبول باد نشان در جناب شہابی“ (۱۳)

۱۱۷۲ھ

نادر شاہ کے حملے کے بعد سندھ میں افراتفری پھیل گئی تھی۔ غلام رسول مہرنے ”تاریخ کلہوڑا“ لکھا ہے کہ ٹھٹھہ سے کلہوڑا حکمرانوں نے اپنے عملدار واپس منگوا لیے تھے جس سے ان کا اثر ختم ہونے لگا اور ٹھٹھہ اور پسرگردائی سے بغاوتیں پھیل گئی تھیں۔ اس سے پہلے ٹھٹھہ ایک پر امن شہر تھا لیکن نادر شاہ کے حملے کے بعد جب کلہوڑا حکمران کی ٹھٹھہ سے توجہ کم ہوئی تو ٹھٹھہ کے حالات سابقہ نہیں رہے۔ اہل علم، شعر اور دانشوروں نے نئے امکانات کی تلاش میں دیگر علاقوں کا رخ کیا۔ یہ ۱۱۶۰ھ کا زمانہ تھا۔

میر محمود صابر کے دیوان ”شوق افزا“ کا مخطوطہ نصرپور شہر سے ملا تھا۔ اور نصرپور میں استر آبادی خاندانوں کی موجودگی اس بات کی جانب اشارہ کرتی ہے کہ میر محمود صابر نے ٹھٹھہ کے حالات خراب ہونے پر نصرپور میں اپنے خاندان والوں کی جانب ہجرت کی تھی۔ اس بات کو مزید تقویت اس امر سے بھی ملتی ہے کہ میاں نور محمد کلہوڑا کے مقبرے پر نصب کتبہ بھی صابر کا منظوم کردہ ہے، جو ان کے دربار سے وابستگی اور حکمرانوں کے ساتھ علمی و ادبی تعلقات کا واضح ثبوت ہے۔ مغل گورنروں کے بعد، کلہوڑا خاندان کی سیاسی و انتظامی حکمت عملی کے تحت ان کا دارالحکومت ٹھٹھہ کے بجائے خدا آباد، نصیرپور کے قریب مراد آباد، اور بعد ازاں حیدر آباد منتقل ہوتا رہا۔ یہ نقل و حرکت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ کلہوڑا حکمرانوں کی سرپرستی کے مراکز بدلتے رہے، جس کا اثر اہل علم و ادب کی ہجرت پر بھی پڑا۔ کئی شعرا اور ادبانے ان نئے مراکز کی طرف رخ کیا، جہاں انھیں علمی و ادبی سرگرمیوں کے لیے زیادہ مستحکم ماحول اور سرپرستی میسر آسکتی تھی۔ میر محمود نے بھی اس وقت میں ہجرت کی ہوگی۔ میر محمود صابر کا آخری وقت ٹھٹھہ سے دور نصرپور میں گذرا شاید اسی لیے ان کے دیوان ”شوق افزا“ کا ذکر میر علی شیر قانع نے نہیں کیا ہے۔ میر محمود صابر کے کلام سے بھی ایسے اشعار ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عمر کا آخری وقت گوشہ نشینی اور تنہائی میں بسر ہوا تھا۔

جب سین ویرانہ میں آگوشہ لیا ہوں صابر  
خلق عالم کی نہیں بھاتی ہے غم خواری مجھے

ہمیشہ شہر میں خلق جہان کی گل گل دیکھے  
لیا ہوں گوشہ کر آباد ملک ویرانی

پیا کے عشق میں لیے گوشہ ہوں، بیگانہ عالم  
سوں  
مزه پایا ہے تنہائی میں صابر آشنائی کا

خبر لیتا ہے صابر کی کہ تیرا  
گدا ہے بندہ ہے گوشہ نشین ہے  
میر علی شیر کے بیان کے مطابق صابر دہلی سے ائمہ کی زیارت کے لیے نکلے تھے اور واپسی پر وہ ٹھٹھہ میں رہنے لگے۔ ٹھٹھہ سے صابر ایک مرتبہ پھر حضرت امام رضا کی زیارت کو مشہد گئے تھے۔ اور واپسی پر وہ نصر پور میں، جو ان دنوں علم و ادب کا مرکز تھا، رہنے لگے۔ ان کے اشعار سے بھی اس کی شاہدی ملتی ہے کہ انھوں نے مشہد کا سفر کیا تھا۔

عزم ہے مشہد کی رہ کا صابرا  
رہنما شوق رضا درکار ہے

چلا ہوں شاہ خراساں کی طرف کوں صابرا  
رضا کے شوق سوں لے ”توشنہ توکل“ قرض

”توشنہ توکل“ سے حاصل ہونے والے اعداد ۱۱۶۷ ہیں۔ یہ وہی زمانہ ہے جب سندھ کے حکمران میاں نور محمد کلہوڑا ۱۲۱ صفر ۱۱۶۷ھ کو فوت ہوئے اور ان کے جانشین میاں غلام شاہ کلہوڑا نے صابر سے ان کا تاریخی قطعہ ”حبیب و نور محمد ولی خلد مکان“ منظوم کرایا تھا۔ صابر ۱۱۶۷ھ کو ٹھٹھہ سے مشہد کے لیے نکلے تھے، زیارت سے واپسی پر انھوں نے حیدرآباد کے قریب قیام کیا اور یہ قطعہ منظوم کیا۔

صابر کے مختصر سوانحی حالات ہمیں صرف میر علی شیر قانع کے مقالات الشعرا اور تحفۃ الکرام سے ہی ملتے ہیں۔ جبکہ باقی حالات کے لیے ہمارے پاس ان کا واحد ماخذ ان کا دیوان شوق افزا ہی ہے۔ دیوان شوق افزا، میر محمود صابر نے اپنے آخری وقت میں لکھا تھا۔ اس کے شواہد ہمیں ان کے اشعار سے ملتے ہیں:

وقت پیری ہے دستگیری کر راہ باقی دکھا کے پیری کر

شوق تاریخ تھا ز شوق نو دیوان کہ رہے دوستان کے پاس نشان

کچھ کمائی نہ کی جوانی میں زندگی کھوئی حرص فانی میں

میر محمود صابر کے اجداد استر آباد ایران سے ہجرت کر کے دہلی آئے تھے۔ جہاں میر محمود پیدا ہوئے۔ میر محمود جب جوان ہوئے تو انھوں نے ٹھٹھہ میں سکونت اختیار کی اور ٹھٹھہ سے وہ حیدرآباد کے قریب نصرپور گئے اور وہیں زندگی کے آخری ایام گزارے اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔ نصرپور میں استر آبادیوں کا الگ قدیم قبرستان بھی تھا جس کا نام ”شاہ اسماعیل استر آبادی کا قبرستان“ تھا<sup>(۱۵)</sup> یہ قبرستان اب منہدم ہو چکا ہے غالباً میر محمود بھی اسی قبرستان میں دفن ہوئے تھے۔ دیوان شوق افزا انھوں نے زندگی کے آخری ایام میں تالیف کیا۔ اس دیوان سے پہلے ان کے ایک سے زیادہ فارسی اور اردو دیوان موجود تھے جن کا ذکر میر علی شیر قانع نے بھی کیا ہے اور شوق افزا کے اشعار سے بھی یہ شواہد ملتے ہیں کہ ان کے دیوان پہلے سے موجود تھے۔

صابر نے ۳۵-۱۱۳۰ھ میں دہلی سے ہجرت کی، جب کہ ڈاکٹر جمیل جالبی کی تحقیق کے مطابق ولی دکنی کا سال وفات ۱۱۳۳ھ سے ۱۱۳۸ھ کے درمیان تھا۔<sup>(۱۶)</sup> اس اعتبار سے صابر اور ولی ایک ہی عہد کے شعرا قرار پاتے ہیں۔ اگرچہ یہ واضح نہیں کہ دہلی میں صابر کی ولی سے ملاقات ہوئی تھی یا نہیں، تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صابر ولی کی حیات کے دوران ہی شاعری کر رہے تھے اور انھوں نے ولی کا دیوان دہلی میں ہی دیکھا تھا جس کا دہلی کے باقی شعرا کی طرح انھوں نے بھی اثر قبول کیا تھا۔ دوسری طرف، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ولی کا سال وفات ۱۱۱۹ھ تسلیم کرتے ہیں اور اس بنیاد پر صابر کی شاعری کے عروج اور ولی کی وفات کے درمیان تقریباً تیس برس کا فرق بتاتے ہیں۔ تاہم، جمیل جالبی کی تحقیق کے بعد یہ تصور بدل جاتا ہے، اور صابر نہ صرف ولی کے ہم عصر ثابت ہوتے ہیں بلکہ اردو زبان و ادب کے ابتدائی دور میں ان کے کردار کی اہمیت بھی اجاگر ہوتی ہے۔

ولی نے شعر کہا:

یہ ریختہ ولی کا جا کر اسے سناؤ  
رکھتا ہے فکر روشن جو انوری کی مانند

صابر اس کے جواب میں کہتے ہیں:

سن ریختہ ولی کا دل خوش ہوا ہے صابر  
حقا ز فکر روشن ہے انوری کی مانند

ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ”صابر اور ولی“ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

”صابر نے نہ صرف ولی کو کاحقہ داد دی بلکہ ولی کی زمین میں دل کھول کر طبع آزمائی کی، جس کی تصدیق اس دیوان کی کئی غزلوں سے ہوتی ہے۔ لیکن ولی کی سبقت اور شاعرانہ کمال کو ماننے ہوئے بھی صابر کو اپنے فن پر بجا طور پر ناز تھا۔ ان کی بعض غزلوں سے متشرح ہوتا ہے کہ انھوں نے ولی کا معارضہ کیا ہے اور خوب کیا ہے۔“ (۱۷)

گر ریختہ ولی کا لبریز ہے شکر سوں  
مضمون شعر صابر قند و شکر تری ہے

جمیل جاہلی لکھتے ہیں کہ:

”صابر کا دیوان پڑھ کر پہلا تاثر تو یہ ہوتا ہے کہ یہ ولی کے دیوان کو نمونہ بنا کر اسی انداز اور اسی رنگ میں لکھا گیا ہے۔ اس کی غزلیں کی غزلیں ولی کی زمینوں میں ہیں یا قافیہ بدل کر ولی کی غزلوں کی ردیف سے نئی زمینیں بنائی گئی ہیں۔ دوسرا تاثر یہ ہوتا ہے کہ صابر اپنی پرگوئی کے اظہار کے لیے دیوان ولی کے جواب میں اپنا دیوان ترتیب دے رہا ہے۔“ (۱۸)

میر محمود صابر کی شاعری اگرچہ ولی دکنی کے رنگ میں رنگی ہوئی محسوس ہوتی ہے، لیکن وہ محض تقلید پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنی پرگوئی ثابت کرتے ہیں۔ ان کے اشعار میں نہ صرف زبان و بیان کی چمک دمک نظر آتی ہے بلکہ موضوعات میں بھی ایک نیا پن موجود ہے، جو انھیں ولی کے دیگر پیروکاروں سے الگ کرتا ہے۔ ولی کی شاعری میں عاشقانہ جذبات کا غلبہ ہے، لیکن صابر نے ان جذبات کو ایک نئی معنویت عطا کی۔ ان کے کلام میں روایت کے ساتھ ساتھ ایک تازگی، ایک فکری وسعت اور زندگی کے متنوع پہلوؤں کا اظہار ملتا ہے۔ وہ محض ولی کی پیروی نہیں کر رہے تھے بلکہ اپنی شاعرانہ بصیرت کے ذریعے ایک منفرد اسلوب تشکیل دے رہے تھے، جو ان کی تخلیقی انفرادیت کا ثبوت ہے۔

ولی کا دیوان جب شمالی ہند پہنچا تو ولی کی تقلید میں دہلی اور شمالی ہند کے اکثر شاعروں نے اپنے دیوان تیار کرنے شروع کیے۔ ولی کے مقلدین میں فائز دہلوی، مبتلا، شاہ مبارک آبرو، شاہ حاتم اور میر تقی میر جیسے اہم شعرا شامل

ہیں۔ یہ سب ولی کی زبان و بیان سے متاثر ہوئے اور انہوں نے اسی رنگ میں اپنے طبع آزمائی کی۔  
ولی دکنی کی ایک مقبول غزل کی مثال دیکھیں:

تجھ غمزہ خوں ریز سوں لڑ کون سکے گا  
تجھ حسن کے بازار میں دیوانہ دل کون  
پھرتی ہیں سیہ مست ہو شمشیر نظر لے  
ہیں خضر کے چشمے سوں ترے لب و لبالب  
مانند ولی تجھ سوں جو پایا شرف وصل  
اسی زمیں میں بتلا کی غزل دیکھیں:

تجھ غمزہ کی فوج سیٹی لڑ کون سکے گا  
مجھ حسن کے دیوانہ کون زندان برہ میں  
خوبانِ جہاں دیکھ تجھے اے بت سرکش  
تیرے دُرنداں کون پرکھ لوگ کہیں یوں  
اے بتلا گردابِ حوادث منے آکر  
میر محمود صابر کی اسی زمین میں یہ غزل کہی ہے جو صرف زمینی مطابقت کے علاوہ ہر لحاظ سے مختلف ہے۔

تجہ زلف کے بچھوں کون پکڑ کون سکے گا  
ابرو کی کمان کھینچ جو توں کھولے گا گھونگھٹ  
ہیں کاتبِ قدرت خطِ یاقوت کے حیران  
تجہ چیرہ کی نک دیکھ کلی شرم سوں بانکے  
ہے فتنہ گری کام تیری شوخِ نگہ کا  
ہر موج ہے تجہ عشق کے دریاؤ کی خونخوار  
تا عمر ہی تجہ در کے بھکاری ہو رہیں گے  
توں سر و خرماں ہے نزاکت کے چمن کا  
صابر ہے تیرے عشق میں مشہور و گر نہ

تینوں غزلوں کا مطالعہ و مشاہدہ کرنے سے پتا چلے گا کہ بتلانے محض ولی کی تقلید میں غزل کہی ہے۔ لیکن ولی  
دکنی کی مقبول زمین میں صابر کی یہ غزل محض ایک تقلیدی کاوش نہیں، بلکہ ایک شعری جواب ہے جو فکری وسعت،

پُرگوئی اور بلاغت کی نئی جہات پیش کرتی ہے۔ ولی دکنی کے کلام میں سادگی، روانی اور نرم غنائیت پائی جاتی ہے۔ ان کے اشعار میں محبوب کی نزاکت، عاشق کی بے بسی اور حسن کے تغیرات کو ایک لطیف پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ صابر کی غزل اسی زمین میں ہوتے ہوئے ولی کے خیالات کو محض دہراتی نہیں بلکہ ایک نیا بیانیہ ترتیب دیتی ہے۔ صابر کی زبان و اسلوب، تشبیہات و استعارات اور موضوعات تخلیقی نوعیت کے ہیں، جو محض ولی کی تقلید نہیں بلکہ ایک انفرادیت کی دلیل ہے۔ اسی طرح اگر ولی کے باقی مقلدین کو بھی دیکھیں گے تو صابر اپنی انفرادیت کے ساتھ الگ کھڑے معلوم ہوتے ہیں۔ ولی اور صابر کے مندرجہ اشعار کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صابر نے ولی کے شعری اسلوب، زمین اور بحر کو اختیار کیا، مگر اپنے اشعار میں تخلیقی انفرادیت اور نیا طرز بیان شامل کیا۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ولی کی شاعری سے متاثر تو ہیں، لیکن مکمل طور پر ان کے مقلد نہیں۔

ولی                      دو نازیں ادا میں اعجاز ہے سراپا                      خوبی میں گل رھاں سوں ممتاز ہے سراپا

صابر                      نام خدا چند رکھ ممتاز ہے سراپا                      خوبی میں حسن و خط سوں آغاز ہے سراپا

ولی                      ترے جلوے سوں اے ماہ جہاں تاب                      ہوا دل سر بسر دریائے سیماب

صابر                      جھل سوں تیری اے مہر جہاں تاب                      ز نخلت شمع گل گل کے ہوئی آب

ولی                      ہے جلوہ گر صنم میں بہار عتاب آج                      لینا ہے اس کے ناز و ادا کا حساب آج

صابر                      آشفقہ کر کے دوش اوپر مشکناں آج                      اری گھٹا سوں ڈھانپ نہیں آفتاب آج

ولی                      ہمیشہ ہے یار سرو آزاد                      نہ جاوے دولت حسن خداداد

صابر                      میرے مہ روکوں ہے حسن خداداد                      کہ روز افزوں ہے فضل حق کی امداد

ولی	ہوا ہے گرم توں جب آفتاب کی مانند	کیا ہے ہوش نے پرواز آب کی مانند
صابر	دکھاو جلوہ کبھی آفتاب کی مانند	کہ بہ چلے دل آئینہ آب کی مانند
ولی	داغ سوں دل قرض زر اندود رکھتا ہے ہنوز	مثل سورج آتش بے دود رکھتا ہے ہنوز
صابر	دل ہمارا بھی سجن خوشنود رکھتا ہے ہنوز	ر رقیباں پر میا جو رکھتا ہے ہنوز
ولی	تجھ زلف کے بے تاب کوں مشک ختن سوں کیا غرض	تجھ لعل کے مشتاق کوں کان یمن سوں کیا غرض
صابر	پروانہ ہو جو جلا اس کوں کفن سوں کیا غرض	جو شمع رویاں سوں رلا اس کوں اگن سوں کیا غرض
ولی	یک بار مری بات اگر گوش کرے توں	ملنے کوں رقیباں کے فراموش کرے توں
صابر	گر جام مے عشق مغاں نعش کرے توں	دل مست و خوچ از نشہ سر جوش کرے توں
ولی	جس وقت تبسم میں وہ رنگین دہن آوے	گل زار میں غنچے کے دہن پر سخن آوے
صابر	گر سیر کوں گلزار کی وی گلبدن آوے	رونق گل و غنچے کوں ز نور چمن آوے

میر محمود صابر کی شاعری کا بنیادی وصف یہ ہے کہ وہ ولی دکنی کی تقلید کے باوجود محض ایک مقلد شاعر کے طور پر سامنے نہیں آتے بلکہ اپنی تخلیقی توانائی، پرگوئی اور انفرادیت کو ثابت کرتے ہیں۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ اور جمیل جالبی دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ صابر نے ولی کی زمینوں میں شاعری کی، مگر اس پیروی کو ایک تخلیقی عمل میں ڈھال کر اسے ایک نیارنگ دیا۔ ولی کے اشعار میں جہاں خالص عشقیہ جذبات کی فراوانی ہے، وہیں صابر کے کلام میں یہ جذبات ایک نئی معنویت کے ساتھ نمایاں ہوتے ہیں۔ وہ صرف عاشق و معشوق کے روایتی مضامین پر قناعت نہیں

کرتے بلکہ اپنے اشعار میں زندگی کے متنوع تجربات، انسانی نفسیات اور فکری وسعت کو سمو دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری محض دیوانِ ولی کا عکس نہیں بلکہ ایک جداگانہ تخلیقی جہت کی حامل معلوم ہوتی ہے۔

صابر خود بھی اپنے اشعار کو ولی کے اشعار سے بہتر نہ سہی برابر ضرور سمجھتے تھے۔

گر ریختہ ولی کا ہے لبریز شکر سوں

مضمون شعر صابر قند و شکر تری ہے

ولی کا ریختہ شکر اور صابر کا شکر تری قرار دینا شاعرانہ تعلق ہی سہی لیکن شاعرانہ کمال کا یہ احساس اثر عمر بھر رہا،

”دیوانِ شوق افزا“ کے خاتمے میں لکھتے ہیں:

گرچہ مشہور ہے ولی کا سخن طبع انور سوں روشن و احسن

شعر اس کے سوں شرمگین ہے شکر دل کوں بخشے ہے شیرنی کا اثر

”شوق افزا“ کا ہے سخن لبریز نشہ عشق سوں خوشی آمیز

جس کوں ہے عشق ساقی کوثر مست ہوتا ہے ریختہ پڑھ پڑھ

مزید برآں، صابر کی شاعری میں زبان و بیان کی چمک دمک اور تخیل کی روانی انہیں اپنے معاصرین میں ممتاز کرتی ہے۔ انہوں نے ولی کی زمینوں میں طبع آزمائی ضرور کی، مگر ان کے اشعار میں محض تقلیدی طرزِ سخن نہیں بلکہ ایک منفرد شاعرانہ اظہار جھلکتا ہے۔ ان کے ہاں مضامین کا دائرہ وسیع ہے اور ان کا اسلوب روایتی غزل کے خدوخال کو برقرار رکھتے ہوئے بھی ایک نئی تخلیقی دنیا کی نشاندہی کرتا ہے۔ صابر کی شاعری میں مضمون آفرینی ایک نمایاں اور منفرد پہلو کے طور پر ابھرتی ہے۔ وہ صرف خیالات کو شعری پیرائے میں ڈھالنے تک محدود نہیں رہے، بلکہ انہوں نے الفاظ کے انتخاب، مفاہیم کی تہہ داری، اور تخیلاتی وسعت کے ذریعے اپنی شاعری کو ایک الگ جہت عطا کی۔ ان کے اشعار میں روایتی مضامین ایک نئے انداز، تازہ پیرایہ اظہار، اور فکری گہرائی کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں، جو انہیں اپنے ہم عصروں سے ممتاز کرتا ہے۔

ہووے خیرہ تجلا سوں نظر خورشید و پروین کا

چودس کا چاند ہے کہ گھونگھٹ میں چھپا ہے بس

کہ ناخدا بھی خدا اس میں ہے رضا ملاح

اس پر نثار جان و تصدق جیا ہے بس

کیا ہوں چار طرف خون دل سوں جدول سرخ

نہ ان کوں حاجتِ خورشید ہے نہ جلوہ ماہ

اٹھاوے گر صبا مکھ سوں نقاب اس ماہ سیمین کا

میرے سجن کے حسن کا حافظ خدا ہے بس

نہیں ہے عشق کی کشتی میں خوف طوفان کا

میری نظر کا نور چندر مکھ پیا ہے بس

نظر میں لکھ تیرے مصحف جمال کی تفسیر

ز نورِ عشق ہے پر نور جن کی چشم و نگاہ

چاند سا دیکھ کھکھ سُریجن کا ترک دیکھن کیا ہوں درپن کا  
صابر کو اپنی اس فکری انفرادیت اور تخلیقی ہنر پر ناز تھا۔ وہ صرف روایتی عشق و محبت کے معاملات بیان  
کرنے کے بجائے تصوف، فلسفہ، اور زندگی کے پیچیدہ سوالات کو شعری رنگ دیتے ہیں، اور یہی عنصر ان کے کلام کو  
ولی دکنی جیسے ہم عصروں سے مختلف بناتا ہے۔ ان کی شاعری میں استعاراتی جدت، خیالی وسعت، اور معنوی بلاغت  
اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ اپنی مضمون آفرینی کے منفرد ہونے سے پوری طرح واقف تھے اور اسے اپنی تخلیقی  
برتری سمجھتے تھے۔ یہی فکری بلندی اور مضمون نگاری میں ندرت ہی صابر کے کلام کی سب سے بڑی پہچان ہے۔

مزہ آوے شکر پاروں کا اس کو شعر میں صابر  
جو سمجھے میٹھے مضمون سوں ز دل شیرین بچن میرا

ریختہ نوبنو سنا صابر  
کہ پسند اہل راز کرتے ہیں

جسے مضمون رنگین کا ہے دل میں شوق اے صابر  
وہ آپ ز سوں لکھتا ہے میرا اشعار ہر جانب

میرے مضمون رنگین سوں ہووے ہے خوش وہی صابر  
سج کے شاد ہوتا ہے جو شعر مختصر سن کر

غزل میری ہے راحت بخش صابر  
کہ خاطر خوش ز مضمون سخن ہے

دل میں بے، من میں رسے، سن سن ہنسے میری غزل  
اہل سخن کے بزم میں کو از سخنانی بے

نئے مضمون سنا کے اس کی خاطر خوش رکھوں صابر  
اگر چہ کا پڑے موہن کوں میرے شعر رنگین کا

سمجھ کے عشق کے مضمون کوں نوبنو صابر  
میری غزل کا طلب گار ہے صغیر و کبیر

میر محمود صابر ولی دکنی کے ہم عصر ہونے کے ساتھ ساتھ سندھ کے پہلے صاحبِ دیوان اردو شاعر، منفرد اسلوب کے حامل، مضمون آفرینی میں یکتا، تصوف سے متاثر، اور فکری گہرائی رکھنے والے شاعر بھی ہیں۔ ان کے کلام میں عشق، معرفت، فلسفہ، نور و تجلی، اور صوفیانہ رنگ نمایاں ہیں، جو انھیں ایک عہد ساز اور کم یاب شعری شخصیت بناتے ہیں۔

میر محمود صابر کی شاعری صرف روایتی عشق و محبت تک محدود نہیں، بلکہ ان کے اشعار میں معرفت، وحدت الوجود، نور و تجلی، اور فلسفیانہ فکر کی جھلک نمایاں ہے۔ وہ ولی دکنی کے ہم عصر اور ان سے متاثر ہوتے ہوئے بھی اپنے الگ اسلوب کے مالک تھے اور روایتی شاعری میں نئے مضامین اور تازہ خیالات شامل کر کے ایک منفرد شناخت قائم کی۔ سندھ کے پہلے صاحبِ دیوان اردو شاعر ہونے کی حیثیت سے ان کی شاعری صرف ایک ادبی دستاویز ہی نہیں، بلکہ اردو زبان کے ارتقائی سفر میں ایک اہم سنگِ میل بھی ہے۔ ان کے اشعار یہ ثابت کرتے ہیں کہ اردو شاعری کی ابتدائی روایت صرف دکن اور دہلی تک محدود نہیں تھی، بلکہ سندھ بھی اس سفر کا ایک اہم حصہ رہا ہے۔ میر محمود صابر کی زبان تہذیبی و لسانی امتزاج کا حسین نمونہ ہے۔ دہلی سے تعلق کے باعث ان کے کلام میں دہلوی اردو کی لطافت، محاورات اور شعری اسلوب نمایاں ہے، جبکہ خاندانی زبان فارسی ہونے کے سبب ان کے اشعار میں فارسی کی نثر و نظم، تشبیہات اور صنائع و بدائع کی جھلک ملتی ہے۔ عربی زبان پر عبور کے باعث قرآنی تلمیحات اور صوفیانہ اصطلاحات ان کے کلام میں جا بجا نظر آتی ہیں۔ ہندی، برج بھاشا اور پنجابی کے الفاظ اور انداز بیان بھی ان کی شاعری میں محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ سندھ میں قیام کے سبب ان کی شاعری میں سندھی تصوف، درویشی اور مقامی لب و لہجے کی اثر پذیری بھی دکھائی دیتی ہے۔ ان تمام لسانی اثرات نے ان کے کلام کو ایک جداگانہ شناخت عطا کی، جو اردو شاعری کی ابتدائی روایت میں ایک اہم سنگِ میل ثابت ہوتی ہے۔

اگرچہ وقت کی دھند نے ان کے کلام کو کچھ عرصے کے لیے گنم کر دیا، مگر ان کا اسلوب، مضمون آفرینی، اور فکری گہرائی انھیں اردو ادب کی تاریخ میں ایک منفرد اور قابل ذکر مقام عطا کرتی ہے۔ ان کا شعری سرمایہ نہ صرف اردو ادب کے اولین نقوش میں ایک اہم اضافہ ہے، بلکہ آئندہ تحقیق کے دروازے بھی کھولتا ہے، جس سے

ان کی شاعری اور اثرات کو مزید اجاگر کیا جاسکتا ہے۔

## حواشی

- ۱۔ علی شیر قانع، مقالات الشعراء، (جامشورو: سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۵۷ء)، ص ۵۶-۳۵۵
- ۲۔ ایضاً، تحفۃ الکرام، مترجم: اختر رضوی، (جامشورو: سندھی ادبی بورڈ، ۲۰۰۶ء)، ص ۳۷-۱۳۶
- ۳۔ میر محمود صابر، دیوان شوق افزا، تحقیق و مقدمہ: ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، (لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۴)، ص ۱۶
- ۴۔ علی شیر قانع، تحفۃ الکرام، ص ۳۱۲
- ۵۔ اعجاز الحق قدوسی، تاریخ سندھ، (کراچی: سندھیکا اکیڈمی، ۲۰۱۳ء)، ص ۳۳۲
- ۶۔ پیر حسام الدین راشدی، تذکرہ امیر خانی (سندھی)، (جامشورو: سندھی ادبی بورڈ، ۲۰۰۵ء)، ص ۹۴-۱۹۳
- ۷۔ میر محمود صابر، دیوان شوق افزا، ص ۱۳
- ۸۔ علی شیر قانع، تحفۃ الکرام، ص ۶۳۶
- ۹۔ ڈاکٹر حامد علی خانائی قریشی، تاریخ نصرپور (سندھی) (جامشورو: ڈاکٹر ابن اے بلوچ انسٹی ٹیوٹ آف ہیئرٹج ریسرچ، ۲۰۲۳ء)، ص ۲۲۳
- ۱۰۔ میر محمود صابر، دیوان شوق افزا، ص ۱۵
- ۱۱۔ غلام رسول مہر، تاریخ سندھ، (سندھی) (جامشورو: سندھی ادبی بورڈ، ۲۰۱۶ء)، ص ۴۱۶
- ۱۲۔ غلام رسول مہر، تاریخ سندھ، محولہ بلا، ص ۴۰۴
- ۱۳۔ میر محمود صابر، دیوان شوق افزا، ص ۳۸۱
- ۱۴۔ ایضاً، ص ۳۸۱
- ۱۵۔ ڈاکٹر حامد علی خانائی قریشی، تاریخ نصرپور (سندھی)، ص ۱۴۶
- ۱۶۔ جمیل جالبی، تاریخ اردو ادب، جلد اول، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۷ء)، ص ۵۳۸
- ۱۷۔ میر محمود صابر، دیوان شوق افزا، ص ۲۵
- ۱۸۔ جمیل جالبی، تاریخ اردو ادب، جلد دوم، حصہ اول (دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۱۹۹۳ء)، ص ۳۱۵
- ۱۹۔ نور الحسن ہاشمی (مرتب)، کلیات ولی، (کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۵۴ء)، ص ۳۵
- ۲۰۔ ایضاً، دیوان مبتلا، (لکھنؤ: ناشر مرتب، ۱۹۹۶ء)، ص ۱۳
- ۲۱۔ میر محمود صابر، دیوان شوق افزا، ص ۳۱

## ماخذ

- ۱۔ جالبی، جمیل، تاریخ اردو ادب، جلد اول، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۷ء
- ۲۔ \_\_\_\_\_، تاریخ اردو ادب، جلد دوم، حصہ اول، دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۱۹۹۳ء
- ۳۔ راشدی، پیر حسام الدین، تذکرہ امیر خانی (سندھی)، (جامشورو: سندھی ادبی بورڈ، ۲۰۰۵ء)

- ۴۔ صابر، میر محمود، دیوانِ شوق افزا، تحقیق و مقدمہ: ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۳ء
- ۵۔ قانع، علی شیر، مقالات الشعراء، جامشورو: سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۵۷ء
- ۶۔ \_\_\_\_\_، تحفۃ الکرام، مترجم: اختر رضوی، جامشورو: سندھی ادبی بورڈ، ۲۰۰۶ء
- ۷۔ قدوسی، اعجاز الحق، تاریخ سندھ، کراچی: سندھیکا اکیڈمی، ۲۰۱۳ء
- ۸۔ قریشی، حامد علی خانانی، ڈاکٹر، تاریخ نصرپور (سندھی)، جامشورو: ڈاکٹر ابن اے بلوچ انسٹی ٹیوٹ آف ہیرٹیج ریسرچ، ۲۰۲۳ء
- ۹۔ مہر، غلام رسول، تاریخ سندھ، (سندھی)، جامشورو: سندھی ادبی بورڈ، ۲۰۱۶ء
- ۱۰۔ ہاشمی، نور الحسن (مرتب)، کلیات ولی، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۵۴ء
- ۱۱۔ \_\_\_\_\_، دیوان مبتلا، لکھنؤ: ناشر مرتب، ۱۹۹۶ء

### References:

1. Ali Sher Qaney, *Maqalat-ush-Shu'ara*, (Jamshoro: Sindhi Adabi Board, 1957), p. 355-56.
2. Ibidi, *Tohfath-ul-Karam*, Translated by Akhtar Rizvi, (Jamshoro: Sindhi Adabi Board, 2006), p. 136-37.
3. Mir Mahmood Sabir, *Diwan-e-Shoq Afza*, Research and Foreword by Dr. Nabi Bakhsh Baloch, (Lahore: Urdu Science Board, 1984), p. 16.
4. Ali Sher Qaney, *Tohfath-ul-Karam*, p. 312.
5. Ijaz-ul-Haq Qudoosi, *Tareekh-e-Sindh*, (Karachi: Sindhika Academy, 2014), p. 432.
6. Pir Husam-ud-Din Rashidi, *Tazkira Ameer Khani* (Sindhi), (Jamshoro: Sindhi Adabi Board, 2005), p. 193-94.
7. Mir Mahmood Sabir, *Diwan-e-Shoq Afza*, p. 13.
8. Ali Sher Qaney, *Tohfath-ul-Karam*, p. 636.
9. Dr. Hamid Ali Khanai Qureshi, *Tareekh-e-Nasrpur* (Sindhi), (Jamshoro: Dr. Nabi Bakhsh Baloch Institute of Heritage Research, 2023), p. 224.
10. Mir Mahmood Sabir, *Diwan-e-Shoq Afza*, p. 15.
11. Ghulam Rasool Mehr, *Tareekh-e-Sindh* (Sindhi), (Jamshoro: Sindhi Adabi Board, 2016), p. 416.
12. Ghulam Rasool Mehr, *Tareekh-e-Sindh*, p. 404.
13. Mir Mahmood Sabir, *Diwan-e-Shoq Afza*, p. 381.
14. Ibid
15. Dr. Hamid Ali Khanai Qureshi, *Tareekh-e-Nasrpur*, p. 146.
16. Jameel Jalibi, *Tareekh-e-Urdu Adab*, Vol. 1, (Lahore: Majlis Taraqqi Adab, 1987), p. 538.
17. Mir Mahmood Sabir, *Diwan-e-Shoq Afza*, p. 25.
18. Jameel Jalibi, *Tareekh-e-Urdu Adab*, Vol. 2, Part 1, (Delhi: Educational Publishing House, 1993), p. 315.
19. Noor-ul-Hasan Hashmi, (Ed), *Kulliyat-e-Wali*, (Karachi: Anjuman Taraqqi Urdu Pakistan, 1954), p. 35.
20. Ibid, (Ed.), *Diwan-e-Mubtala*, (Lucknow: Self published, 1996), p. 13.

21. Mir Mahmood Sabir, *Diwan-e-Shoq Afza*, p. 31

### **Bibliography:**

1. Hashmi, Noor-ul-Hasan, (Ed), *Kulliyat-e-Wali*, Karachi: Anjuman Taraqqi Urdu Pakistan, 1954
2. \_\_\_\_\_, (Ed.), *Diwan-e-Mubtala*, Lucknow: Self published, 1996
3. Jalibi, Jameel, *Tareekh-e-Urdu Adab*, Vol. 1, Lahore: Majlis Taraqqi Adab, 1987
4. \_\_\_\_\_, *Tareekh-e-Urdu Adab*, Vol. 2, Part 1, Delhi: Educational Publishing House, 1993
5. Mehr, Ghulam Rasool, *Tareekh-e-Sindh* (Sindhi), Jamshoro: Sindhi Adabi Board, 2016
6. Qaney, Ali Sher, *Maqalat-ush-Shu'ara*, Jamshoro: Sindhi Adabi Board, 1957
7. Qudoosi, Ijaz-ul-Haq, *Tareekh-e-Sindh*, Karachi: Sindhika Academy, 2014
8. Quresih, Hamid Ali Khanai, Dr., *Tareekh-e-Nasrpur* (Sindhi), Jamshoro: Dr. Nabi Bakhsh Baloch Institute of Heritage Research, 2023
9. \_\_\_\_\_, *Tohfat-ul-Karam*, Translated by Akhtar Rizvi, Jamshoro: Sindhi Adabi Board, 2006
10. Rashidi, Pir Husam-ud-Din, *Tazkira Ameer Khani* (Sindhi), Jamshoro: Sindhi Adabi Board, 2005
11. Sabir, Mir Mahmood, *Diwan-e-Shoq Afza*, Research and Foreword by Dr. Nabi Bakhsh Baloch, Lahore: Urdu Science Board, 1984

